© rasailojaraid.com

حدیثِ افتراقِ امت

(۲)

از جناب مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی ندوۃ المصنفین دہلی

پارٹیوں کا ظہور اور اب وہ وقت قریب تر ہو گیا کہ آیت "او یلبسکم شیعا" کی تاویل دنیا بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اچانک خلافتِ راشدہ کے دورِ رابع میں ایک طوفانِ بدتمیزی اٹھا۔ ایک جماعت قرآن ہاتھوں میں لئے ہوئے ہے تہجد کے نشانات اس کی پیشانیوں پر ہیں اور وہ خلیفۂ وقت پر چڑھائی کے لئے اس لئے جمع ہوئی ہے کہ اس کے نزدیک وہ کافر ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کون ہے جسے یہ بدبخت دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں؟ وہ کہ جس کی شمشیر اور جس کی تقریر نے نہ معلوم کتنے کفار کو مسلمان بنایا تھا جس کی نسبت ارشادِ نبوی تھا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ علیؓ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی۔ اور وہ جس کو امت باب العلم کہتی ہے۔ حیرت ہے کہ جس کو کل دورِ کفر میں پہلا مسلمان کہا جاتا تھا آج اسلام کے زمانہ میں خود اسی کے دورِ خلافت میں اُسے اول کافر کہا جا رہا ہے۔ یہ فتنہ خوارج کا فتنہ تھا جس کی تفصیل کتبِ تاریخ میں مذکور ہے [1]

---

[1] حافظ ابن عبد البرؒ نے اس کی مختصر سرگذشت اس طرح لکھی ہے کہ جب خوارج حضرت علیؓ پر چڑھائی کر کے آئے تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے امیر المومنین دیکھئے۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے اقوال و عقائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت موٹی عقل اور سطحی علم کے مالک تھے۔ درک مقاصد، فہم معانی، استنباط و استنتاج کا ان میں کوئی ملکہ نہ تھا۔ قرآن شریف پڑھنے کا انھیں شوق ضرور تھا مگر اس کے معانی کی انھیں کوئی اہمیت نہ تھی۔ طوطے کی طرح قرآن ان کی زبانوں پر تھا مگر ان کے قلوب اس کی صحیح ہدایات اور لطیف مضامین سے قطعاً خالی تھے، ان کی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ جاہل لوگ آپ کے مقابلہ میں آمادۂ پیکار کھڑے ہیں آپ نے جواب دیا کہ پہلے انھیں جنگ شروع کر لینے دو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دن میں نے عرض کیا کہ آج ذرا تاخیر سے نماز ادا کیجئے میں ان لوگوں سے گفتگو کر لوں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بھیڑ لگ رہی ہے شب بیداری کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہی مائل ہیں، سجدوں کے نشان پیشانیوں پر ہیں اور کہنیوں میں اونٹ کے گھٹنوں کی طرح ٹھیک پڑ گئی ہیں۔ دُھلی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا تو بولے ابن عباسؓ کیسے آئے؟ اور یہ حلہ کیسا پہن رکھا ہے؟ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ تمہیں اس حلہ پر کیا اعتراض ہے میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر اچھے اچھے یمنی کپڑے دیکھے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ زینت اور اچھی اچھی غذائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں کس نے حرام کیں۔

پھر انھوں نے دریافت کیا کہو کیوں آئے ہو میں نے جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ایک ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور جن میں قرآن نازل ہوا تھا اور تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، میری آمد کا مقصد یہ ہے کہ ان کی باتیں تم تک اور تمہاری باتیں ان تک پہنچا دوں۔ انھوں نے آپس میں کہا ان سے بات مت کرو کیونکہ یہ قریشی ہیں اور ان کے حق میں قرآن کہتا ہے بل ہم قوم خصمون۔ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہم ضرور گفتگو کریں گے اس کے بعد ان میں سے دو تین شخص سامنے آئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت علیؓ پر تمہیں کیا اعتراض ہے۔ انھوں نے کہا تین اعتراض ہیں، میں نے کہا بتلاؤ انھوں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے دین کے معاملہ میں انسانوں کو حَکَم بنایا حالانکہ قرآن کریم میں ہے ان الحکم الا للہ۔ فیصلہ صرف خدا کا ہے۔ میں نے کہا چلو ایک بات ہوئی، اور بولو۔ کہنے لگے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ سے جنگ کی پھر نہ کسی کو قید کیا اور نہ مال غنیمت لوٹا۔ اب اگر ان کی جماعت مسلمان تھی تو ان سے جنگ کیوں کی اور اگر کافر تھی تو جس طرح ان کے ساتھ جنگ درست تھی قید کرنا بھی درست تھا۔ میں نے کہا اچھا اور کچھ؟ بولے تیسری بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنا نام امارت سے کیسے مٹایا اس لئے اگر وہ مومنین کے امیر نہیں تو یقیناً کافروں کے امیر ہوئے۔

میں نے کہا اگر میں ان سب باتوں کا تمہیں خود قرآن و سنت کی ہی جواب دیدوں (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی علمی بے مائگی کی طرف حدیث کے الفاظِ ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یعنی وہ قرآن تو بہت تلاوت کریں گے مگر قرآن صرف ان کی زبانوں پر ہوگا اُن کے قلوب میں علم وفہم کا کوئی ذرہ تک نہ ہوگا۔ دوسری علامت ان کے علم نما جہل کی یہ بتلائی گئی ہے کہ یقتلون اھل الاسلام ویدعون اھل الاوثان۔ بت پرستوں کو چھوڑ کر اہلِ اسلام کو قتل کریں گے۔ کچھ یہ تجربہ بھی ہے کہ سطحی علم کے ساتھ مزاج میں شدت اور نفس میں تقشف پیدا ہونا لازم ہے۔ حضرت ابن عباس رض جب ان سے مناظرہ کے لئے پہنچے ہیں تو جو پہلا فقرہ انھوں نے فرمایا ہے وہ یہ تھا۔ میں ایسی جماعت کے پاس سے آرہا ہوں جس میں یہ قرآن اترا ہے اور جو براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو کیا واپس چلے جاؤ گے انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر میں نے کہا اچھا تو سنو!

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسروں کو حکم مقرر کرنے کا حکم موجود ہے چنانچہ حالتِ احرام میں کوئی شخص شکار کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جزا مقرر کی ہے اور اس کا فیصلہ دو منصف مسلمانوں پر رکھا ہے جو وہ کہدیں گے وہی قابلِ تسلیم ہو جائے گا۔ اسی طرح خلع میں طرفین کے دو شخص بلا کر فیصلہ ان کی رائے پر رکھدیا ہے۔ اب تم ہی انصاف کرو کہ جب جانوروں اور عورتوں تک کے معاملات میں مسلمانوں کا فیصلہ قابلِ تسلیم سمجھا گیا ہے تو مسلمانوں کے جانی معاملات میں کیوں قابلِ تسلیم نہیں ہوگا۔ اب بتلاؤ تمہارا یہ اعتراض جاتا رہا یا نہیں کہنے لگے جی ہاں۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ بتلاؤ حضرت عائشہ رض تمہاری ماں تھیں یا نہیں اگر انکار کرتے ہو تو کافر ہوتے ہو اور اقرار کرتے ہو تو کیا قید کرنے کے بعد ان کے ساتھ وہ سب معاملات درست رکھو گے جو دوسرے قیدیوں کے ساتھ جائز ہوتے ہیں اگر اس کا اقرار کرتے ہو تو بھی کافر ہو۔ کہو اس پر تمہارا کوئی اعتراض ہے ؟ انھوں نے کہا نہیں۔

میں نے کہا کہ اب تیسری بات کا جواب سنو، صلح حدیبیہ میں ابو سفیان وسہیل کے اصرار پر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کرنے کا امر نہیں فرمایا تھا پھر اگر حضرت علی رض نے اپنا نام امارت سے علیحدہ کر دیا تو کیا ہوا۔

سوال وجواب کے بعد ان میں دو ہزار اشخاص تو واپس ہو گئے اور جو رہ گئے وہ قتل کر دیئے گئے۔

(جامع بیان العلوم ج ۲ ص ۱۰۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن خواں اور قرآن داں کا فرق

اس کا مطلب یہ تھا کہ تم قرآن خواں ضرور ہو مگر قرآن داں نہیں، اگر انصاف کرتے تو یہ فیصلہ آسان تھا کہ قرآن کے صحیح مراد وہ لوگ زیادہ جانتے تھے جن میں سب سے پہلے قرآن اترا، اور جنھوں نے براہِ راست صاحبِ کتاب سے اس کی مرادیں سمجھیں اور اپنی آنکھوں سے اس پر صحیح عمل کا طریقہ دیکھا یا تم جوان میں سے کسی ایک بات میں بھی ان کے شریک و سہیم نہیں۔ نہ تم قرآن کے نزول کے ماحول سے واقف ہو اور نہ اس کی مراد دریافت کرنیکا کوئی صحیح معیار تمہارے سامنے ہے صرف ایک سطحی علم، ایک جامد رائے اور ایک جہل آلود مزاج ہے، اس پر یہ دھوکا ہے کہ مخلص بھی تم ہی ہو، قرآن کو بھی تم ہی سمجھتے ہو اور تم ہی اس پر عمل کرتے ہو۔

اسبابِ اختلاف حضرت ابنِ عباسؓ کی نظر میں

اسی لئے جب ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ابنِ عباسؓ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک، قبلہ ایک، کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا تو ابنِ عباسؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ اے امیر المومنین قرآن ہمارے سامنے اترا ہے۔ ہم تو اس کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انھیں صحیح طور پر اس کے موارد و مصادر کا علم نہ ہوگا پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کریں گے اور اٹکل کے تیر چلائیں گے۔ اس لئے ان میں اختلاف ہوجائے گا اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں ہوں گی۔ شروع میں تو حضرت عمرؓ نے اس خیال سے اتفاق رائے نہ کیا لیکن غور کرنے کے بعد انھیں بھی ابنِ عباسؓ سے اتفاقِ رائے کرنا پڑا۔ [۱]

حضرت ابنِ عباسؓ کے اس صوابدید کی اس سے زیادہ شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسلام میں ایک مشہور گروہ بندی کی جب بنیاد پڑتی ہے تو وہ اسی ناواقفی و جہل کی بدولت نظر آتی ہے۔ چنانچہ خوارج کا نقطۂ ضلالت یہی تھا کہ جو آیات کفار کی شان میں نازل ہوئی تھیں انھیں وہ مسلمانوں کے حق میں سمجھ کر انھیں کافر قرار دیتے۔ پھر اس جاہلانہ بنیاد پر اُن سے آمادۂ جنگ ہوجاتے تھے۔

---

[۱] الاعتصام ص ۱۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلف کی یہ دقتِ نظر قابلِ داد ہے جنھیں ہر دینی معاملے میں سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ یہاں صحابہ کرام کا طریقہ کیا تھا اور جب ان کی کوئی ایک رائے معلوم ہو جاتی تو اسی کو اپنے لئے اسوہ بنالیتے اور اختلاف دیکھتے تو انہی آرار میں سے کسی کا اتباع کرلیتے اور اُن سے باہر قدم نکالنا ضلالت و گمراہی تصور کرتے۔ [1]

---

[1] حافظ ابن عبدالبر امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شاگرد بقیہ بن الولید سے فرمایا

یابقیۃ العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ومالم یجیٔ فلیس بعلم۔ [1]

اے بقیہ بس علم تو وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔

قال الشعبی ماحدثوك عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہٖ وما قالوا فیہ برأیہم فبل علیہ [2]

عامر شعبیؒ کہتے ہیں لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جانب سے نقل کریں، انھیں تو اختیار کرلو اور جو اپنی رائے سے کہیں انھیں نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لایزال الناس بخیر ما اتاھم العلم من قبل اکابرھم فاذا اتاھم من قبل اصاغرھم ھلکوا۔ [3]

جب تک لوگوں کے سامنے بڑے بڑے علمار کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی یافتہ رہیں گے اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہو تو برباد ہو جائیں گے۔

ابنِ مبارکؒ فرماتے ہیں اصاغر سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں اپنی رائے لڑائیں، ابو عبیدہ فرماتے ہیں میرے نزدیک اس کی مراد یہ ہے کہ جو لوگ صحابہ کے بعد ہیں ان کا علم حاصل کیا جائے اور صحابہ کے علم کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائے۔ [4]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ پر سخت گریہ طاری ہوا ان سے دریافت کیا گیا خیر تو ہے کیا کوئی مصیبت درپیش ہے فرمایا نہیں لیکن یہ دیکھ رہا ہوں کہ دین کی باتیں بے علموں سے دریافت کی جاتی ہیں اور یہی گمراہی کا پیش خیمہ ہے [5]

ان آثار اور اس طرح کے بہت سے آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلف کے یہاں صحابہ کے علم کا کتنا وزن تھا ان کے یہاں اس علم کی اتنی قدر و قیمت کیوں تھی؟ ۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۹ [2] ایضاً ج ۲ ص ۳۲ [3] ایضاً ج ۱ ص ۱۵۹ - [4] ایضاً ج ۱ ص ۱۵۸ - [5] الاعتصام ص ۱۳۹ ج ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلام فہمی کے لئے محاورات کے سوا مصنف کی مزاجی خصوصیات کا علم بھی ضروری ہے

اگر ملکی عادات، رسم و رواج، زبانی محاورات، مصنف کی خصوصیات کا علم کسی عام کلام کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے تو بلا شبہ کلام اللہ کے مراد متعین کرنے کے لئے بھی اس کا علم ضروری ہے کہ عرب کا ماحول، عرب کی زبان پھر سب سے پہلے کتاب اللہ کا طرزِ خطابت کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ ان اوصاف میں جس قدر عہدِ نبوۃ کے قریب ہوتے جاؤگے اتنا ہی کمال نظر آتا جائے گا اور جتنا اس عہد سے نیچے اترتے آؤگے اتنا ہی نقصان نظر آتا جائے گا۔

علم کا طول و عرض اور ہے اور اس کا عمق اور

اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ صحابہ کے علوم میں وہ طول و عرض نہیں ملتا جو متاخرین کے یہاں موجود ہے مگر صحیح علم طول و عرض کا نام نہیں بلکہ اس کے رسوخ اور عمق کا نام ہے۔ اکتسابی اور رسمی فنون چونکہ محض انسانی دماغ کی پیداوار ہیں اس لئے ظنی ہیں اور ظنیات میں چونکہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لئے تحصیل یقین کی سعی میں دلائل اور تحقیقات کا طول و عرض خواہ مخواہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن وحی کا علم قطعی ہے وہ جتنا نظر آتا ہے سب مغز ہی مغز ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح سنت مقاصدِ قرآنیہ کے لئے کاشف ہے اسی طرح صحابہ کے کلمات مقاصدِ سنت کی شرح کرنے والے ہیں کیونکہ یہ کلمات اگر حضورؐ سے سُنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل سے افضل کوئی نقل نہیں ہو سکتی اور اگر وہ ان کی اپنی رائے ہے تو دین میں ان کی رائے سے بہتر کس کی رائے ہو سکتی ہے۔

محمد بن سیرینؒ سے حج کے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کرِھَہا عمر و عثمان فان یکن علماً فہما اعلم منی وان یکن رأیاً فرأیہما افضل[۵]۔ یعنی عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ عالم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے۔

یہ محمد بن سیرین کا قول ہے جو مشہور ترین تابعی ہیں اور تابعین میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں وہ علم اسی کو کہہ رہے ہیں جو آنحضرتؐ سے منقول ہو اور اس کے سوا جو علم ہے اس کا نام رائے رکھتے ہیں پھر صحابہ کی رائے کا وہ مرتبہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں اپنی رائے قابلِ ذکر نہیں سمجھتے۔

۵ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱

© rasailojaraid.com

اس لئے اس میں طول و عرض نہیں ہوتا ہاں اس کی گہرائی بے اندازہ ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص زمین کی کرویت یا اس کی حرکت بزور دلائل ثابت کرنا چاہے تو اس کے لئے بہت بڑے علم، بہت کافی تجربے اور ایک طویل عمر کی حاجت ہوگی لیکن وہ شخص جو ان دونوں چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اس کو ان میں سے کسی بات کی بھی ضرورت نہیں، سب سے بڑی دلیل، سب سے بڑا تجربہ اس کا اپنا مشاہدہ ہے۔ اس لئے جو یقین اس کو حاصل ہے وہ پہلے شخص کو عمر عزیز بھی نصیب نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا۔ افتمارونہ علی ما یری کیا تم اس رسول سے اس کی آنکھوں دیکھی باتوں میں جھگڑتے ہو۔ بہر حال جب دین کے علم اور دین کے مسائل پر بحث ہوگی تو سب سے پہلے یہ پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اس باب میں صحابہ اور سلف[1] کی رائے کیا تھی اور ان کی رائے کے بعد …

---

[1] حضرت حسنؒ صحابہؓ کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی اس کو دھن تھی تو اسی کی تلاش تھی تو اسی کی۔ اس کعبہ کے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

حضرت ابن مسعودؓ کی تعبیر اس سے بھی زیادہ صاف، شاندار اور مکمل ہے۔

من کان منکم متأسیا فلیتأس باصحاب	تم میں جس کو اقتدا کرنا ہو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہم کانوا ابر	صحابہ ہی کی اقتدا کرے کیونکہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ علم میں
ھذہ الامۃ قلوبا واعمقہا علما و	سب سے گہرے نہایت بے تکلف مضبوط کیرکٹر
اقلہا تکلفا واقومہا ھدیا واحسنہا	اور بہت اچھے حالات کے لوگ تھے اور اسی لئے
حالا قوما اختارھم اللہ	خدا تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین
لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ	رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے انتخاب
فاعرفوا لہم فضلہم واتبعوا	کیا تھا اس لئے تم بھی ان کی بزرگی پہچانو اور
فی آثارھم فانہم کانوا علی	ان کے ہی نقش قدم پر چلو کیونکہ وہ سیدھے
الھدی المستقیم …	اور صاف راستہ پر …

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

دوسری سب رائیں اسی طرح ٹھکرا دینے کے قابل ہوں گی جس طرح ہائیکورٹ کے نظائر کے مقابلہ میں دوسری عدالتوں کے فیصلے ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ وہ دین کا ہائی کورٹ ہے اور ان سے زیادہ صحیح مراد حاصل کرنا عقلاً تو ممکن ہے مگر واقعات کے دائرہ میں ممکن نہیں اس کے جو علم بھی ہے گو اس میں طول و عرض نظر آئے اور اس میں عمق کا بھی گمان ہوتا ہو لیکن وہ سب سطحی علوم ہیں اور ان کا اتباع یقیناً دینی افتراق کا باعث ہو کر رہے گا۔[۱] اسی کی طرف حدیثِ ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لا یقبض اللہ العلم انتزاعاً ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤساً جہالاً فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔	اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے ایکدم نہیں نکالے گا بلکہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھا لے گا۔ یہانتک کہ جب کوئی صحیح عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے وہ فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

عالم رئیسِ فتنہ نہیں ہوتا جاہل پر عالم کا گمان کر لیا جاتا ہے

بعض علماء نے اس حدیث سے خوب استنباط فرمایا ہے کہ علماء رئیسِ ضلالت نہیں ہوتے مبداءِ ضلالت ہمیشہ جاہل ہوتا ہے پھر اس کے اتباع میں گمراہی پھیلتی ہے مگر فتن جب ٹوٹتے ہیں تو ایک تاریکی لیکر نہیں ٹوٹتے اپنے گردو پیش میں تاریکیاں لیکر آتے ہیں کہ اس وقت عالم اور غیر عالم کی شناخت ہی ممکن نہیں رہتی۔ غیر عا

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) صحابہ کی صفات اور ان کے علمی پایہ کے متعلق الفاظ کا یہ توافق بتلاتا ہے کہ ان میں یہ اوصاف اس قدر عیاں تھے کہ جو شخص بھی انہیں دیکھتا تھا وہ ان اوصاف کو سب سے پہلے ان میں دیکھ لیتا تھا اور اس لئے خود ان کے سامنے سرنگوں ہو جاتا اور دوسروں کو اس وصیت کے پہنچانے کے لئے مجبور تھا جو ان زمانہ میں ان مقدس ہستیوں کا بچشم خود مشاہدہ کرنے والے تھے یا اس سے قریب تر زمانہ میں تھے ان کی رائے یہ ہے اور جو ان دو صفتوں سے محروم ہیں اگر وہ کوئی اور رائے رکھتے ہیں تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [۱] دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۶ و ج ۴ ص ۱۱۳ و ۱۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بانیٔ ضلالت ہوتا ہے اور یہ ٹیکہ علمار کے نام پر مفت لگ جاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک امین انسان کبھی خیانت نہیں کرتا لیکن غلطی سے کبھی امین کے دھوکہ میں امانت خائن کے ہاتھوں میں جا پڑتی ہے۔ وہ خیانت کرتا ہے پھر مشہور یہ ہوتا ہے کہ فلاں امین نے خیانت کی ہے اسی طرح ایک عالم متقی، راسخ العلم، کبھی منشارِ ضلالت نہیں ہوتا۔ یوں زلّۃ ولغزش انسانی فطرۃ ہے وہ اس وقت زیرِ بحث نہیں۔ فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا جذبہ ہمیشہ بے علموں میں اُبھرتا ہے مگر بدنامی علم کے نام پر باقی رہ جاتی ہے۔ آج بھی اگر ہندوستان کی فرقہ بندیوں پر نظر ڈالو گے تو ان کے مختلف عناصر میں ایک بڑا عنصر یہی بے علمی ہے یا وہ فرزانگی جس کی بلند پروازیوں کے لئے حدود اور غیر حدود کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا۔

سطحی اور عمیق علم کا فرق

بحث تشنہ رہ جائیگی اگر اس مرحلے پر سطحی علم اور عمیق علم کی مناسب وضاحت نہ کی جائے۔ صاحبِ موافقات نے اپنی کتاب کے شروع میں تیرہ مقدمات تحریر فرمائے ہیں جن میں ہر مقدمہ اپنی جگہ مہم اور ضروری ہے لیکن بارہواں مقدمہ ہمارے مضمون کے لحاظ سے اور بھی زیادہ اہم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علم ہمیشہ محقق اور راسخ العلم شخص سے حاصل کرنا چاہئے کیونکہ مشہور ہے کہ از ناقصے کامل نزاید۔ اس کی علامت تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راسخ العلم کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس نے علم شیوخ کی زیرِ نگرانی اور ان کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا ہوتاکہ ان کے فیض صحبت سے اس کا رسوخ بھی حاصل ہو جائے۔ صحبت اور ملازمتِ شیخ کو رسوخ علم میں بڑا دخل ہے۔ صحابہ کا علم اسی طریق پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں ایک "قل ھو اللہ" پڑھنے والا صحابی جس خوبی اور پختگی سے توحیدِ اسلام سمجھا ہوا تھا آج تیس پاروں کا حافظ بھی اس کا عشرِ عشیر سمجھا ہوا نہیں۔

صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا

بات یہ ہے کہ الفاظ میں اشتراک و ترادف، حقیقت و مجاز اور عموم و خصوص کے احتمالات پھیلتے چلے جاتے ہیں اس لئے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوتی، محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد متعلم کو بتلا دیتا ہے پھر یہ کچھ قدرتی انتظام بھی ہے کہ جب ایک جماعت تشنہ لب، دستِ حاجت دراز کئے ہوئے تحصیلِ علم کے لئے آتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہو جاتی ہے یعنی معلم میں قوتِ افادہ اور متعلم میں وہبی طور پر قوتِ استفادہ کچھ اس طرح رونما ہو جاتی ہے کہ علوم جس انداز سے یہاں کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعہ سے نہیں کھلتے۔ آخر یہ کیا بات تھی کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ہی اپنے قلوب میں ایک تغیر محسوس کیا تھا۔ حضرت حنظلہ جب اپنے گھر آتے تو اُن کے قلب میں بردو یقین کی جو کیفیت آپ کی صحبت میں ہوتی بدل جاتی۔ یہ انشراح و یقین سب اسی ملازمت ہی کا کرشمہ تو تھا۔

زیرِ تربیت علم کی تاثیرات

اس تربیت اور صحبت کی تاثیر بعض مستعدین پر تو عجب حیرت انگیز طریقے سے ہوئی ان کی قوتِ استفادہ اتنی ترقی کر گئی کہ بعض مرتبہ نزولِ وحی سے پہلے ہی وہ بجلی کی طرح دوڑ کر اس کو اُچک لیا کرتے۔ کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ وحی الٰہی کا فیصلہ کل کیا ہو گا۔ مگر نورِ نبوۃ کا یہ تربیت یافتہ، انوارِ صحبت سے لبریز مجلس میں بول اٹھتا اور جو وہ بول اٹھتا کل وحی اسی کے موافق نازل ہو جاتی، صلاحیت و صواب رسی کی یہی وہ آخری منزل تھی جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو گیا ہوتا تو یہ خلعت اس کو پہنا دیا جاتا۔ یہ وہی ہے جس کو دنیا عمر فاروق رض کے نام سے پکارتی ہے۔ صحاح کی روایات میں تو موافقاتِ عمرؓ کی تعداد تین ہی بتلائی گئی ہے مگر موافقاتِ عمرؓ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ بہرحال اگر عمرؓ اس ماحول کے سوا قرآن کریم کا مطالعہ ہی اور وہ کر کرتے تو کیا یہ صواب رسی، یہ توقد یہ ذکاء ان کو میسر آتا۔

صلح حدیبیہ میں صحابہ کے اضطراب اور پھر سکون میں ایک تعلیمی سبق

دیکھئے صلح حدیبیہ کا واقعہ ان کے اور دیگر صحابہ کے لئے کتنا مشکل سبق تھا فاتحانہ جرأت رکھتے ہوئے مفتوحانہ شرائط کو معقول [illegible] منزل تھی۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر فاروق رض کو جو اس معاملہ میں سب سے زیادہ الجھن میں پڑے ہوئے تھے بلایا اور وحی الٰہی کو پڑھ کر سنا دیا آپ کا پڑھ کر سنانا تھا کہ یا ابھی ابھی وہ بیچینی وہ اضطراب تھا کہ طبیعت سنبھالے نہ سنبھلتی تھی یا اب صلح حدیبیہ کا فتح ہونا ان کی رگ و پے

© rasailojaraid.com

میں اتنا سما چکا تھا کہ تمام اضطراب و بے چینی کی بجائے سکون ہی سکون و اطمینان ہی اطمینان تھا۔

حادثۂ وفات پر صحابہ کرام کا دوسرا اضطراب و سکون

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حادثۂ وفات نے جو ہیجان اُن کے سینہ میں برپا کردیا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی موت کے نام لینے والے کا جواب شمشیر سے دینا چاہتے تھے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ادھر آیتہ وما محمد الا رسول کا پڑھنا تھا ادھر یہ اذان کے ساتھ بہت سے مدہوش صحابہ ہوش میں تھے۔ صحبت میں رہ کر جو علوم حاصل کئے جاتے ہیں ان میں اول تو شبہات پیدا نہیں ہوتے اور جو پیدا ہوتے ہیں وہ اسی طرح ظاہری و باطنی اثرات سے کافور ہوتے رہتے ہیں حتی کہ

علم پڑھنا پھر اسے گننا چاہئے

جب ایک متعلم اس طرح علم پڑھتا اور گُن لیتا ہے تو اس کا قلیل علم بھی قلیل نہیں ہوتا۔ اب اس کا نام علم نہیں رہتا بلکہ قرآنی الفاظ میں شاید حکمت ہوجاتا ہے قرآن کریم میں جس حکمت کو حضرت لقمان کا بڑا علم بتلادیا گیا ہے وَلَقَدْ آتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ ہم نے لقمان کو حکمت مرحمت فرمائی تھی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ پڑھ لیا کرتے تھے۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حکمت کا مفہوم

گو عام مفسرین نے حکمت کی تفسیر سنت کی ہے مگر یہاں اور بھی بہت اقوال موجود ہیں۔ تعلیمِ کتاب کے ساتھ جب حکمت کی تعلیم نہیں رہتی تو گویا اصل دوا کا بدرقہ نہیں رہتا اس لئے اس کی تاثیر میں بڑا فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ معلم محقق کتاب کے ساتھ حکمت کی بھی تعلیم دیتا ہے جو کتاب کے علاوہ دوسری چیز ہوتی ہے۔ یہ حکمت کتاب کی شکل میں کوئی دوسری کتاب نہیں ہوتی بلکہ اس کتاب کو صحبتِ نبی میں پڑھنے کے وہ اثرات ہوتے ہیں جو مستعد شخص کی ذہنیت میں وہ صلاحیت پیدا کردیتے ہیں کہ صحیح فہم و فراست اس کے لئے ملکۂ نفس بن جاتی ہے اس کے خیالات و عقائد خود بھی پاکیزہ اور دوسروں کو بھی پاکیزہ بنادیتے ہیں۔ غلط بات کو اس کا ذوق قبول نہیں کرتا اور صحیح حقیقت قبول کرنے میں اُسے کچھ تردد نہیں رہتا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحکمۃ والعلم نور یھدی حکمت اور علم ایک نور ہے خدا تعالیٰ جسے
بہ اللہ من یشاء۔ چاہتا ہے دیدیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسب کا ثمرہ ہی نہیں بلکہ وہبی نعمت ہے کسی نصیب والے کو مل جاتی ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ جب یہ حکمت نہیں ہوتی تو خام طبائع اسے فلسفہ بنالیتی ہیں غالباً اقبال مرحوم نے اسی کے لئے یہ شعر کہا ہے۔

فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

امام مالکؒ جب مسائل اجتہادیہ اپنے طلبہ کے سامنے بیان فرماتے تو طلبہ ان سے لکھنے کی اجازت طلب کرتے آپ منع فرمادیتے اور کہتے کہ یہ مسائل اگر دنیا میں پھیل گئے پھر کل ان کے متعلق میری رائے بدل گئی تو اس کی تلافی مشکل ہوجائے گی اس لئے لکھو مت۔ انھوں نے عرض کیا پھر کیا کریں تو فرمایا

تحفظون وتفھمون حتی بس زبانی یاد رکھو اور انھیں خوب سمجھ لو یہاں تک کہ
تستنیر قلوبکم ثم لا تحتاجون جب تمہارے قلوب روشن اور منور ہوجائیں گے
الی الکتابۃ۔ تو اس کے بعد لکھنے کی خود بخود ضرورت نہ رہے گی۔

دوسری جگہ امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکنہ علم کثرتِ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے
نور یجعلہ اللہ فی القلوب۔ جس کو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈالدیتا ہے۔

پھر اس کی علامت بیان فرماتے ہیں کہ

ولکن علیہ علامۃ ظاھرۃ وھو التجافی عن اس کی ایک کھلی علامت دنیا سے نفرت
دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود اور آخرت کی طرف توجہ ہے۔

علم ایک نور کا نام ہے | امام مالکؒ جیسا شخص یہاں یہ بتلا رہا ہے کہ علم کثرتِ روایت اور طول وعرض کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کے بعد دماغ رٹنے کا محتاج نہیں رہتا اس کی روشنی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقائق اشیاء اسی طرح نظر آنے لگتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی روشنی میں سیاہ و سفید۔

علم کے متعلق اشراقیہ کی رائے

اشراقیین کا بڑا طبقہ علم کی حقیقت بھی اشراق نوری قرار دیتا ہے۔ علم در حقیقت اسی نور کا نام ہے جب تک یہ نور پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک مسائل غامضہ تو درکنار بدیہیات بھی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ منکشف نہیں ہوتے وہ قرآنی سورتیں کی سورتیں پڑھ جاتا ہے۔ حدیثوں کے انبار کے انبار رٹ لیتا ہو لیکن اس کے قلب میں جو در حقیقت علم کی تخت گاہ ہے علم و فہم کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا اسی لئے حوارج کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم۔ علم کی حقیقت سے ناآشنا تو آیات و احادیث کا یہ طول و عرض الفاظ کا یہ طمطراق دیکھ دیکھکر مرعوب ہوتا رہتا ہے مگر حقیقت شناس جانتا ہے کہ یہ علم نہیں خوشنما الفاظ کا صرف ایک انبار ہے جس کی حقیقت قاعدۂ بغدادی کے صرف انتیس حروف ہیں اور بس۔ اس کے برخلاف جو علوم تاثیر صحبت سے راسخ ہوکر نور کی شکل اختیار کرلیتے ہیں وہ کتنے ہی مختصر ہوں ان کا جامہ کتنا ہی کہنہ اور دریدہ ہو مگر قدر شناس خوب جان لیتا ہے کہ یہ گدڑیوں میں لعل ہے۔

نور علم بلا عقیدت و اتباع منتقل نہیں ہوتا

یہ علم صرف مشائخ کرام اور علماء کبار کی زیر تربیت ہی حاصل ہوتا ہے اور اس لئے جب تک متعلم ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق نہ رکھے ان کے رنگ میں رنگین نہ ہو۔ اس وقت تک علم کا یہ نور بھی اس کے سینہ میں منتقل نہیں ہوتا۔ وہ حرف شناس ہوکر حاضر ہوتا ہے اور فقرہ باز بن کر واپس چلا جاتا ہے۔ اب جتنا چاہے اس پر ناز کرے۔

غالباً اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ سطحی علم سے ہمارا کیا مطلب تھا اور صحابہ کے علم کو ہم نے صرف حسن اعتقاد سے نہیں بلکہ حقیقت کی بنا پر عمیق کہا تھا۔ اب یہ علم اگر کسی سینہ میں سرایت کرجائے تو کیا آپ کے نزدیک اس پر مقاصدِ شریعت مخفی رہ سکتے ہیں۔ اگر علم کے مختلف حاملین ایک ہی منبع سے فیض یاب ہوں جہاں کوئی اختلاف نہیں تو کیا ان میں اختلاف پیدا ہونے کا کوئی احتمال ہوسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد راسخ العلم کی دوسری علامت یہ تحریر فرمائی ہے کہ اس کا علم وعمل، حال و قال ایک دوسرے سے مطابق ہو۔

علم صحیح عمل کی دعوت دیتا ہے

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ نتیجہ خود بخود پیدا ہوجاتا ہے کہ صحیح عالم بے عمل ہو ہی نہیں سکتا اور نہ صحیح علم بلا عمل قائم رہ سکتا ہے۔ علم صحیح کا تسلط اور اس کی باطنی تسخیر اپنے حامل کو اس بات کے لئے مجبور کا دیتی ہے کہ وہ اس کے مقتضا پر عمل کرے۔ کچھ دن عالم اور علم میں یہ کشمکش رہتی ہے پھر بالآخر یا عالم کو اقتضاءِ علم کے تابع ہوجانا پڑتا ہے ورنہ علم خود اس سے کنارہ کش ہوکر اپنی گدی ویران چھوڑ جاتا ہے۔

علماءِ سوء کی علامت

فاضل مؤلف نے آٹھویں مقدمہ کے آخر میں ایسے علماء کا نام علماءِ سوء رکھا ہے اور اس کی شہادت میں اکابر صحابہ وعلماء کے آثار ذیل نقل کئے ہیں۔

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اے گروہ علماء اپنے علم پر عمل بھی کیا کرو کیونکہ عالم وہ ہے جو پہلے علم حاصل کرے پھر اس پر عمل بھی کرے اس کا علم وعمل یکساں نظر آئے۔ آئندہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو علم حاصل کریں گے مگر ان کے گلے کے نیچے نہ اتریگا، ان کا باطن ان کے ظاہر کے مخالف اور ان کا علم ان کے عمل کے برخلاف ہوگا۔ حلقے بنا بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کریں گے۔ یہانتک ملے اپنے شاگرد پر کوئی تو اس سلئے ناراض ہوگا کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے کے حلقۂ درس میں کیوں بیٹھ گیا یہی لوگ ہیں جن کے اعمال قبول نہ ہوں گے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ عالم تو وہ ہے جو اپنے علم کے موافق عمل بھی کرے لیکن جس کا علم وعمل مخالف ہو وہ کیا عالم ہے۔ یہ تو روایتِ حدیث ہے ایک بات سنی پھر اسے نقل کردی۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علماء وہ لوگ ہیں کہ جب علم حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں اور جب عمل کرتے ہیں تو اسی میں مشغول ہوجاتے ہیں اور جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشغول ہو جاتے ہیں تو عوام میں نظر نہیں آتے جب نظر نہیں آتے تو ان کی تلاش پڑتی ہے جب تلاش ہوتی ہے تو مخلوق سے بھاگتے ہیں۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے جو شخص لوگوں سے علم میں برتر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ عمل میں بھی ان سے برتر رہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم جب آتا ہے تو عمل کو پکارتا ہے اگر وہ بھی آگیا تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ وہ بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

ان مذکورہ بالا آثار میں علم و عمل کا وہ ربط جو ان حضرات کی دوربین نظروں میں تجربہ کے بعد ثابت ہوا ہے ظاہر کر دیا گیا ہے اس کے بعد صاحب موافقات لکھتے ہیں کہ علم میں لگے رہنے سے ایک نہ ایک دن عمل کے لئے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔

حسنؒ فرماتے ہیں "شروع میں ہم نے دنیا کے لئے علم حاصل کیا آخر کار ہمیں علم نے آخرت کی طرف کھینچ ہی لیا"

معمرؒ کہتے ہیں کہ یہ بات مشہور تھی کہ اگر کوئی علم دنیا کی نیت سے حاصل کریگا تو آخر علم اسے کشاں کشاں خدا ہی کی طرف لے ہی آئے گا۔

حبیب بن ابی ثابتؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے علم حاصل کرنا شروع کیا تو اس وقت ہماری کوئی اچھی نیت نہ تھی لیکن جب علم آیا تو خود بخود اچھی نیت پیدا ہو گئی۔

اختلاف کا دوسرا سبب اتباع ہویٰ ہے۔

قدرت نے انسان میں فہم و فراست اور عقل و ذکاوت کی وہ طاقت ودیعت رکھی ہے کہ جب وہ اس کا پورا پورا ادراک کر لیتا ہے تو بر و بحر کی ساری طاقتیں اس کو اپنی ہی محکوم نظر آتی ہیں وہ سمندروں کے طوفانوں، دریا کی موجوں اور بڑے بڑے حوادثِ ارضی کو نظر میں نہیں لاتا وہ سورج کی شعاعوں اور بادلوں کے پانی سے بہت بے نیازی کے ساتھ فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر اس کے نظامِ عمل میں یہ عظیم الشان مخلوق کبھی اس کے ارادہ کے موافق کام نہیں کرتی تو اپنا ایک الگ سورج اور رعد اباد ل بنا کر نہایت حاکمانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انداز میں ان کا بائیکاٹ کر دیتا ہے۔

انسان کچھ پر اپنی حکومت دیکھتا ہے اور سب کچھ پر حکومت کا یقین کر لیتا ہے

اپنی حاکمیت کی بے پناہ وسعت دیکھ کر اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بس وہی ایک حاکم علی الاطلاق ہے اور سب کچھ اسی کے زیرِ حکومت ہے۔ اسی زعم حاکمیت میں کبھی کبھی جب وہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کی نظر ایک ایسے عالم پر پڑتی ہے جہاں اس کی حاکمیت کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا جو اس کرۂ ارضی پر نظر آتا تھا یہ ہمہ وقت اس کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا ہے اور وہ اس کی قیدِ حکومت سے تمام تر آزاد ہے۔ نظام شمسی و قمری اس کی دست رس سے بالکل باہر ہیں، سیارات کی گردش اور بے شمار ثوابت کی معین نشست پھر ان میں صغیر و کبیر، قرب و بعد کا تناسب، یہ ابھی تک اس کے لئے موجبِ حیرت بن رہا ہے۔ مدتوں سعی کے بعد اگر اس نے بازو پرواز حاصل کئے بھی تو وہ بھی چند میل کے فاصلہ پر جا کر شکستہ ہو گئے۔ تاہم کبھی وہ ہواؤں پر اڑا اور کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھا اور اپنی عقل و فراست کی جتنی بھی طاقت تھی وہ سب خرچ کر ڈالی مگر ابھی تک اس کو یہ باور نہیں ہو سکا کہ عالم علوی پر بھی اس کو وہی تصرف و قبضہ حاصل ہو گیا ہے جو عالم سفلی پر تھا قدرت اس کو اتنا زبردست حاکم بنا کر پھر کبھی کبھی اس لئے شکست دیتی رہتی ہے کہ اس کے دل میں کبھی اس سے برتر حکومت کا تصور بھی آ جائے اسی قدرت و عجز کے درمیان اس کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

معجزہ

انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ اسی بادشاہت کے پیغمبر ہیں جس سے وہ ہمیشہ شکست کھاتا رہا ہے اور اس دعوی کے ثبوت میں دنیوی طاقتوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری طاقتوں کو بروئے کار لے آئیں اور ان کا مقابلہ کر لیں اور اگر اس پر بھی مقابلہ نہ کر سکیں تو اس کا یقین کر لیں کہ وہ ضرور کسی ایسی حکومت کی طرف سے آئے ہیں جو ان ساری حکومتوں سے قوی تر اور بالاتر ہے اسی کا نام معجزہ ہے اس کے بعد وہ ان کے سامنے ایک دستور العمل رکھتے ہیں، اور بے چون و چرا اس پر عمل کرنے کی عام دعوت دیتے ہیں۔

انسان کا قدرت کے ساتھ ایک فریب

یہ شکست خوردہ انسان کو اس قاہرانہ طاقت کے بالمقابل کبھی کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرنگوں ہو جانے پر مجبور تو ہو جاتا ہے مگر اندر ہی اندر کوشش کیا کرتا ہے کہ اس حاکم قانون کو بھی اپنی ہی قیدِ حاکمیت میں لے آئے باغی تو یہاں صاف انکار کر دیتا ہے اس سے یہیں سروکار ہی نہیں۔ ایک فرمانبردار بھی اس موقع پر حقِ حاکمیت ادا کرتا نظر نہیں آتا اور ایک صحیح بات کی آڑ لیکر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے اور بجا کرتا ہے کہ اس آئین کو معقول تر آئین ثابت کرے مگر یہاں فریب یہ ہے کہ اس معقولیت کا معیار اپنی عقلِ نارسا بنا لیتا ہے اور اس لئے اس خیر خواہی میں وہ شریعتِ سماویہ کی گردن توڑتا موڑتا رہتا ہے۔ حکم یہ تھا کہ ہر اختلاف میں اسی قانون کو حکم اور فیصل بناؤ اور عمل یہ ہے کہ اس قانون کو اپنی عقل کے مطابق کرنے کی سعی ہو رہی ہے اور اسی کا نام اتباعِ ہویٰ ہے۔

اتباع ہدیٰ اور اتباع ہویٰ متضاد صفتیں ہیں

قرآن کریم اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ کو دو متضاد چیزیں قرار دیتا ہے یعنی جو متبعِ ہویٰ ہے وہ سماوی ہدیٰ کا متبع نہیں ہو سکتا اور جو آسمانی ہدایت کا متبع ہے وہ ہویٰ کے پیچھے نہیں جا سکتا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (جاثیہ)

پھر ہم نے آپ کو دین کے راستہ پر رکھا ہے (یعنی ہدیٰ) تو آپ اسی پر چلئے اور بے علموں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلئے۔

یعنی اتباعِ ہدیٰ کو اتباعِ ہویٰ کا ترک لازم ہے۔ ہدیٰ اور ہویٰ اپنی اپنی جگہ دو کھلے ہوئے راستے ہیں، قدرت نے دونوں انسان کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ وھدینٰہ النجدین۔ اور ان دونوں راستوں میں ایک راستہ پر چلنے کا حکم اور دوسرے سے احتراز کا حکم دیدیا ہے۔

ہدیٰ اور ہویٰ کے دوراہے پر انسان کا امتحان

اسی دوراہے پر کھڑا کر کے انسان کا امتحان لیا گیا ہے۔ راہِ ہدیٰ پکارتی ہے کہ راہ یہ ہے اس پر چلو مگر ہویٰ مچلنے لگتی ہے اور سو طرح کی رکاوٹیں سامنے لے آتی ہیں۔ ہدیٰ ایک آسمانی آئین ہے اس کی اتباع میں محکومیت کا داغ لگتا ہے اور ہویٰ اپنے ہی نفس کے جذبات ہیں اس کے مان لینے میں حاکمیت کا مزا آتا ہے اس لئے یہاں ایک نیک بخت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان بڑی حماقت یہ کرتا ہے کہ ہدی اور ہوی کے درمیان اتفاق و سازگاری کی سعی کرنے لگتا ہے تاکہ سے باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی۔

مگر سعی یہ لاحاصل ہے قرآن نے پہلے اعلان کر دیا ہے کہ یہ دو راہیں علیحدہ علیحدہ ہیں ایک کا سرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور دوسری کا سرا شیطان کے ہاتھ میں ہے ایک کا منتہی جنت ہے اور دوسری کا دوزخ۔

اتباع ہوٰی میں سکون کا راز یاد رکھنا چاہیئے کہ خواہشات و اہوا کا محرک چونکہ خود نفسِ انسانی ہے اس لئے وہ جسم انسانی میں جان کی طرح رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سرایت کی ہوئی ہوتی ہیں ان کا خلاف اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسا کہ جسم کو جان کا۔ ان میں اسی طرح فطری جاذبیت ہوتی ہے جیسا کہ لوہے اور مقناطیس میں اور جب کبھی ان پر قرآن و سنت کا ملمع چڑھ جاتا ہے تو اب وہی ہوٰی ٹھیک ہدٰی کی صورت نظر آنے لگتی ہے اور ہدٰی اور ہوٰی کے اس توافق کے بعد جو اطمینان وانشراحِ قلب میسر آتا ہے وہ گنگا وجمنا کے سنگم کا سا لطف سامنے کر دیتا ہے۔ اس حد پر پہنچ کر انسان اپنے اندر اتنا سکون محسوس کرتا ہے کہ پھر تلاشِ حق کا لفظ سننا بھی اُسے گوارا نہیں ہوتا۔ اسی لئے سورہ الجاثیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریقِ امتنان ارشاد فرمایا گیا تھا کہ دیکھئے اتباعِ ہوی کی اس گرم بازاری کے زمانہ میں ہم نے آپ کو ہدٰی پر قائم رکھا ہے یہ کتنا بڑا احسان ہے تو اب آپ ان بے علموں کی ہوٰی کا ساتھ نہ دیں۔ ہوٰی کے ان غیر معمولی اثرات اور برقی تاثیر و تعدیہ کا حال حدیثِ افتراق کے آخری جملوں میں بدیں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔

وانہ سیخرج فی امتی اقوام	آئندہ میری امت میں کچھ لوگ آئیں گے جن میں
تتجاری بھم تلک الاھواء کما	یہ اہوا اور خواہشات اس طرح رچی ہوئی ہوں
یتجاری الکلب بصاحبہ	گی جیسا کہ ٹھرک کتے کاٹے کے جسم میں کہ کوئی رگ
لا یبقی منہ عرق ولا مفصل	اور کوئی جوڑ اس کا ایسا نہیں رہتا جس میں یہ
الا دخلہ (ابوداؤد)	بیماری گھسی ہوئی نہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشبیہات انبیاء علیہم السلام اور استعاراتِ شعراء میں فرق

یہ انبیاء علیہم السلام کے تشبیہات ہیں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کے استعارات نہیں اس لئے یہاں صرف رنگینی اور لطف اندوزی مقصود نہیں ہوتی بلکہ حقیقت کی صحیح سے صحیح ترجمانی مدنظر ہوتی ہے۔ کتے کاٹے کی بیماری پر غور کیجئے تو اس میں آپ کو دو باتیں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ چونکہ یہ بیماری ایک ایک جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے اس لئے لاعلاج ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح یہ بیماری در اصل دیوانہ کتے میں موجود ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی کو کاٹ لیتا ہے تو اس کو بھی اس بری طرح لگ جاتی ہے کہ پھر یہ شخص بھی کتے کی طرح خوفناک اور قابلِ احتراز ہو جاتا ہے حتی کہ اگر یہ کسی تیسرے انسان کو کاٹ لے تو اس پر بھی وہی اثر ظاہر ہو جاتا ہے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے سے ہوتا۔

اصحاب ہویٰ کو توفیقِ توبہ میسر آنا مشکل ہے

ان خصوصیات کے بعد اب اگر آپ اہلِ ہویٰ کے حالات کا موازنہ کریں تو اس تشبیہ میں آپ کو نبوت کا ایک اعجاز نظر آئے گا۔ ہویٰ کا حال بھی یہی ہے کہ جب وہ انسان کی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے تو پھر وہی انسان کو بشکل "ہدیٰ" نظر آنے لگتی ہے اس لئے یہاں توبہ کی امید نہیں رہتی توبہ کی توفیق اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ قلب کا کوئی گوشہ ہویٰ سے خالی ہو مگر جب رگ رگ میں ھویٰ سرایت کر جائے تو اب توبہ کی توفیق کہاں سے آئے اسی لئے سورہ جاثیہ میں فرمایا ہے۔

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ	بھلا دیکھئے تو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ	اور حاکم ٹھیرالیا اور علم رکھنے کے باوجود خدا نے
عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی	اس کو راہ سے بھٹکا دیا اور اس کے کان اور
بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ	دل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو
مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ	اب اس کو خدا کے بعد کون ہدایت دیسکتا ہے
(الجاثیہ)	کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

علم کی گمراہی جہل کی گمراہی سے بدتر ہے

آیتِ بالا میں چند اہم فوائد بتلائے گئے ہیں پہلا یہ کہ جس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے علمی گمراہی کا سبب بنتی ہے اسی طرح کبھی علم بھی گمراہی کا سبب ہو جاتا ہے مگر جو گمراہی کہ علم کی راہ سے آتی ہے اس کا نتیجہ بھی انتہائی خطرناک ہوتا ہے یہ گمراہی تاریکی کی گمراہی نہیں بلکہ روشنی کی گمراہی ہے جہل کی نہیں علم کی گمراہی ہوتی ہے اس لئے یہاں سامانِ ہدایت سب معطل ہو جاتے ہیں، نہ کان کچھ سنتے ہیں اور نہ آنکھیں غور و فکر کرنے کے لئے تیار ہوتی ہیں اور قلب میں تو حکومتِ ہویٰ کی وجہ سے حق بینی اور حق فہمی کی کوئی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی اس لئے یہاں ہدایت و توبہ کی کوئی توقع نہیں رہتی۔ اگر خدا ہی اسبابِ ظاہریہ سے بالاتر طریقہ پر ہدایت نصیب فرمائے تو یہ دوسری بات ہے اسی کو دوسری آیت میں بلفظِ طبع ارشاد فرمایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (محمد) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنے خواہشات کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

سورہ جاثیہ میں اس بدنصیبی کو لفظِ ختم سے تعبیر فرمایا تھا یہاں لفظِ طبع سے ارشاد فرمایا گیا ہے دونوں لفظوں کا حاصل وہی محرومی اور شقاوت ہے۔

ہویٰ پرست کو خدا پرستی کا مغالطہ

دوسری بات یہ کہ ہویٰ پرست کو اتباعِ ہویٰ میں وہ مزا آتا ہے جو خدا پرست کو عبادت میں کیونکہ جب اس نے اپنی ہوای کو اپنا خدا بنا لیا ہے تو پھر اسی کی فرمانبرداری اس کو خدا کی فرمانبرداری نظر آنی چاہئے اس لئے جتنا ایک خدا پرست ہدیٰ کے اتباع کی سعی کرتا ہے اس سے زیادہ ایک ہویٰ پرست اپنی ہویٰ کے اتباع کے پیچھے رہتا ہے اور حیرت ہے کہ راستہ کے اس اختلاف کے باوجود دونوں کے خیال میں مقصد پھر ایک ہی ہوتا ہے یعنی خدائے قدوس کی فرمانبرداری اس التباس کے بعد تبع ہویٰ سے توبہ کی توقع ایسا ہے جیسا کہ ایک تبع ھدیٰ سے کفر کی توقع۔ نہ وہ اپنے اسلام کو چھوڑ سکتا ہے نہ یہ اپنی ہوی کو اس کا نتیجہ پھر وہی توبہ سے محرومی نکلتا ہے

اتباع ہویٰ کو گمراہی لازم ہے

تیسری بات یہ کہ اتباعِ ہویٰ اور ضلالت لازم و ملازم ہیں اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ اتباعِ ہویٰ اور اتباعِ ہدیٰ دو متضاد نقطے ہیں۔ اس کا حاصل یہی تھا کہ اتباع ہویٰ کا نتیجہ ضلالت و گمراہی ہے اسی کو آیۂ ذیل میں بیان فرمایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ (ص)

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے تو مخلوق میں سچائی کا فیصلہ کیجئے اور خواہش و ہوی کی اتباع نہ کریئے کہ یہ آپ کو خدا کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

اتباع ہوی شان خلافت کے منافی ہے

اس آیت میں بھی اسی مضمون کو بتلایا جا رہا ہے کہ آپ خلیفہ ہیں آپ کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی زمین پر خدا ہی کے احکام نافذ کریں یہی خدائی خلافت کا ...ن ہے لیکن اگر آپ نے ہوی اور اپنی خواہش کی پیروی کی تو پھر خدا کی راہ آپ کو نظر نہیں آسکتی اور ...سے نظر آسکتی ہے جبکہ اس کی خاصیتہ اسبابِ ہدی کا تعطل ہو۔

دوم اس آیت سے جہاں ہوی اور ضلالت کا ربط معلوم ہوتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ...وتا ہے کہ اتباع ہوی شانِ خلافت کے بھی منافی ہے خدا کا خلیفہ دنیا میں اس لئے آتا ہے کہ وہ ...وسروں کو بھی اسی کے راستہ پر لگائے نہ اس لئے کہ خود ہی گم کردہ راہ بن جائے۔

اتباع ہوی شریعت اور سیاست دونوں کے لئے مضر ہے

تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوی جس طرح مسائلِ شریعت کی فہم میں مخل ہوتی ہے اسی طرح حکومت، عدل وانصاف، معاملہ فہمی کے لئے بھی ...سدِ راہ ہے چونکہ خلیفہ کا تعلق دونوں شعبوں سے ہوتا ہے اس لئے اس مرکزی نقطہ پر متنبہ رہنے کی ...اس کو پوری ہدایت کی گئی ہے۔ اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

ولو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السموات والارض۔

اگر حق ان کے خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین فاسد ہو جاتے۔

معلوم ہوا کہ اتباعِ ہوی جس طرح نظامِ مذہب میں مخل ہے اسی طرح نظامِ عالم کو بھی درہم وبرہم کرنے والا ہے۔ اسی لئے صاحب موافقات نے تو اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کہ شریعت داعیۂ ہوی کو ختم کرنے کے لئے ہی آئی ہے۔

مذمتِ ہوی میں سلف کے اقوال

مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں ہم سلف کے چند آثار بھی نقل کر دیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہمارے نزدیک علم یہی ہے۔ سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابنِ عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خوش اعتقادی میں بولا "انا علی ھواک" میں تو آپ کی ہوٰی (خواہش) کا متبع ہوں۔ اس پر ابن عباسؓ نے جواب دیا "الھوی کلہ ضلالۃ" ہوی (خواہشات) سب گمراہی ہے پھر بطریق تادیب و سرزنش فرمایا "ای شئ انا علی ھواک" انا علی ھواک کیا چیز ہے یعنی کچھ نہیں۔ ابنِ وہب حضرت طاؤس سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے جہاں ہوٰی کا ذکر کیا ہے وہاں اس کی مذمت ہی فرمائی ہے[۱] اب آیاتِ ذیل کو بغور پڑھئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ جہاں ہوٰی کا ذکر آیا ہے مذمت ہی کے سلسلہ میں آیا ہے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ۔	صرف اٹکلوں اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

آیتِ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اتباعِ ہوٰی اور اتباعِ ظن و تخمین یہ ایک ہی نوع کی باتیں ہیں واقعات اور حقائق سے دونوں دور دور رہتے ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ (محمد)	بھلا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے کھلے ہوئے راستہ پر ہو اُن کے برابر ہو سکتا ہے جن کے نظروں میں اپنے اعمال بد مزین ہوں اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے ہوں۔
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (والنازعات)	جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو یقیناً اس کی جگہ جنت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احترازِ ہوٰی مورثِ خوف ہے اور اتباعِ ہوٰی موجب بے خوفی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (النجم)	وہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ صرف خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔

[۱] کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں آپ کا نطق دو ہی صورتوں میں منحصر کر دیا گیا ہے ہوٰی اور وحی تیسرا اور کوئی احتمال نہیں۔ اسی لئے جب ہوٰی آپ کے کلام سے منفی ہے تو صرف اس کا وحی ہونا متعین ہے معلوم ہوا کہ ہوٰی اور وحی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اگر ان چند آیات پر ہی غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہوٰی صرف ظنون یعنی اٹکل اور تخمین کا نام ہے۔ کوئی سماوی روشنی اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اپنے اعمال کے ابتری کو اچھی صورت میں سمجھنا اور سمجھانا اور خدا سے بے خوفی اس کا واحد منشا ہوتا ہے، وحی سماوی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ضلالت وگمراہی اس کو لازم ہے۔ غرض نظامِ معیشت اور نظامِ مذہب دونوں کے لئے تباہ کن ہے اور شخصی مضرت کے لحاظ سے اس کا اثر انسان کے لئے اس کے اسبابِ ہدایت کا کلی تعطل ہے اسی لئے اس پر ایک طرح توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے اور اس کے شفا یاب ہونے کی اسی طرح توقع نہیں رہتی جیسا کہ کتے کاٹے شخص کی۔

ہوٰی متعدی مرض ہے تشبیہ کا دوسرا جزء تعدیہ ہے آپ کے نزدیک تو یہ صرف مجاز واستعارہ ہو گا، مگر آیئے سلف کو دیکھئے کہ انھوں نے کیا سمجھا تھا۔

عن ابن مسعود قال من احب	حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں
ان یکرم دینہ فلیتعزل مخالطۃ	اپنے دین کی قدر کرنا چاہے اسے شیطانی افعال
الشیطان ومجالسۃ اصحاب	اور اصحابِ اہوا سے علیحدہ رہنا چاہئے کیونکہ
الاھواء فان مجالستہم الصق	ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش
من الجرب۔	کی طرح اڑ کر لگتی ہے۔

ایوب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابنِ سیرین کے پاس گیا اور بولا اے ابو بکر (ان کی کنیت ہے) میں آپ کے سامنے قرآن کی صرف ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں اسے پڑھ کر بس فوراً چلا جاؤں گا۔ ابنِ سیرین نے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور فرمایا اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، ابھی میرے گھر سے چلا جا اس نے کہا اے ابو بکر میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی تقریر نہیں کروں گا۔ انھوں نے فرمایا جا بس تو چلا ہی جا۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو میں اسے آیت پڑھنے کی اجازت دیدیتا لیکن مجھے اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی یسا شبہ پیدا نہ کردے جسے میں بعد میں نکالنا چاہوں اور نہ نکال سکوں [1] امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں ۔ صاحبِ بدعت سے بات چیت مت کرو اور نہ اس سے جھگڑا کرو وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈالدیگا [2] ان آثار سے معلوم ہوئیا کہ صاحب شریعت کی وہ تشبیہ پر مغز اور حقیقت سے کتنی قریب ترتھی ۔

ہوی کی جاذبیت اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ہوی معنوی طور پر اپنے اندر کچھ ایسی جاذبیت رکھتی کہ اس کے آثار بعض مرتبہ غیر اختیاری ہوجاتے ہیں ۔ انسان سمجھتا ہے کہ یہ چیز ناحق ہے مگر اس کے باطل اثرات گھن کی طرح اندر ہی اندر اس کے ایمان کو کھائے جاتے ہیں ۔ جیسا کہ جبر اور مشاجرات صحابہ کے مسائل ۔ ایک اچھا خاصہ ایماندار شخص بھی جب اس وادی میں قدم رکھ ہے تو کچھ دور چل کر شبہات اور وساوس کی جھاڑیوں میں الجھکر رہ جاتا ہے اور ہزار کوشش باوجود اس کا ایمان زخمی ہوئے بغیر نہیں رہتا ۔ اسی لئے صاحبِ شریعت نے اس پُر خار واد میں قدم رکھنے کی ممانعت کردی ہے مگر مصیبت تو یہ ہے کہ جتنا اُدھر سے ممانعت کی تاکید ہوئی ، اتنا ہی یہاں اس کے سیر و سیاحت کا شوق دونا ہوا ۔ حضرت ابن مسعودؓ کے الفاظ یہ دلیری اور ایمان کی پختگی کی بات نہیں بلکہ اپنے دین کے اکرام نہ کرنے کا نتیجہ ہے ۔ اگر ہوی میں جاذبیت نہ ہوتی تو اس میں فرقہ بندی کی یہ طاقت بھی نہ ہوتی ۔

قرآن و سنت عقل کے لئے روشنی ہیں نہ کہ عقل قرآن و سنت کے لئے ایک جماعت نے جب اپنی اہوا و خواہشات کی روشنی میں قرآن و سنت کا مطالعہ شروع کیا تو معیار صحت انھیں عقل ہی نظر آئی ۔ پھر جو آیت اور حدیث اس معیار کے موافق اتری اس کو تسلیم کرلیا ورنہ تاو یا انکار کا راستہ اختیار کیا اور اس معصیت کا عذر گناہ بدتر از گناہ یہ تراشا کہ صاحبِ شریعت کا کلام عقل کے مخالف ہو ہی نہیں سکتا یہ بالکل درست تھا مگر صاحب! سوال یہ ہے کہ ا

---

[1] الاعتصام ج ۲ ص ۲۴۱ ۔ [2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل کا بھی کوئی معیار ہونا چاہئے۔ خلافِ عقل کہنے کا بھی کوئی ضابطہ ہونا چاہئے۔ ان مراحل پر بحث کئے بغیر فلاسفہ دور نے جو طے کر دیا بس وہ نووحی منزل من السماء بن گیا اور جو وحیِ حقیقی نے ہدایت کی اسے اساطیر اولین کہکر محتاجِ نقد بھی نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ حشر اجسام، صراط، میزانِ اعمال جسمانی عذاب وثواب، رؤیۃ باری تعالیٰ، جنت وجہنم، اس قسم کے اور جتنے امور پروازِ عقل سے بالاتر تھے سب کا گو صاف انکار تو نہیں کیا گیا مگر اس طرح تسلیم کیا جس کو درحقیقت ایک تسلیم نما انکار ہی کہنا چاہئے۔ بلاشبہ اگر مذکورہ بالا مسائل کو صرف عقل کے ذریعہ طے کیا جائے تو یہ مشکل ہے نور وحی کے بغیر نہ وہ دریافت ہوئے اور نہ صفتِ ایمان کے بغیر وہ حد یقین میں آسکتے ہیں۔

آخر کار اس غلط بنیاد کی وجہ سے دین میں عقائد واصول کا دوسرا اختلاف پڑگیا اور جس طرح کہ پہلے اختلاف کی بنیاد جہل پر قائم ہوئی تھی اس اختلاف کا قلعہ عقل پر تعمیر ہوا۔ اسی کی طرف حدیث افتراقِ امت کے بعض طرق میں یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں۔

الذین یقیسون الامور	یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو دین کے مسائل میں صرف
برأیھم فیحلون الحرام	قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور حرام کو حلال
ویحرمون الحلال۔	اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں۔

ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ ابنِ معین نے اس زیادتی کو بے اصل قرار دیا ہے مگر صاحب الاعتصام بعض علماء سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے ابنِ معین کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہ ٹکڑا اور ثقہ راویوں سے بھی منقول ہے لہذا اس کی اسناد بے غبار ہے۔ ہاں اگر ان کے علم میں اس کے سوا کوئی اور خفی علت ہے تو دوسری بات ہے۔

مذموم قیاس آرائی کیا ہے؟ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ الفاظ مذکورہ بالا میں اس قیاس آرائی ہی کی مذمت ہو رہی ہے جو دین کی حقیقت بدل ڈالے اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دے غیر منصوص جزئیات کے احکام کا اصول شریعت کے مطابق حاصل کرنا پھر ان کے اسباب وحکم پر بحث کرنا مذموم قیاس آرائی میں داخل نہیں بلکہ اہلِ علم کے لئے ضروری ہے اس لئے یہ سمجھنا نافہمی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہم نے دین کو بلا وجہ ایک معمہ بنانے کی دعوت دی ہے یا غور و تفکر کی راہ معطل کرنے کی سعی کی ہو۔ اس تقریر سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں۔ قرآن جگہ جگہ تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے طرح طرح سے واقعاتِ ماضیہ بیان کر کے ان سے عبرت پذیری کی ترغیب دیتا ہے آیات آفاقی و انفسی کا بغور مطالعہ شیوۂ مومنین قرار دیتا ہے۔ اور حلال و حرام کے معاملہ میں بھی اس حد تک غور و فکر کی ممانعت نہیں کرتا، جہاں تک اس کے احکام کی تبدیل و ترمیم نہ ہو، ہاں اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر آپ کی عقلِ نارسا اس کے منصوص احکام کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز رہے تو ان کو توڑ موڑ کر آپ اپنی عقل کے سانچے میں ڈھال لیں یہی اتباعِ ہویٰ ہے۔ اتباعِ ھدیٰ یہ ہے کہ شریعت کو حاکم اور عقل کو محکوم اس کو متبوع اور اس کو تابع بنایا جائے۔ اور اتباعِ ہویٰ یہ ہے کہ عقل کو حاکم اور شریعت کو اس کا محکوم بنا دیا جائے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عقل سے کام لینا حکمت ہے اور عقل کے حدود میں قرآن و سنت کو محدود کر دینا اتباعِ ہویٰ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے غور و تفکر پر کوئی چوکی پہرہ قائم نہیں کرتا مقصد صرف یہ ہے کہ عقل کو عقل کی حد پر رکھئے اور اس کو دیوِ بے زنجیر کی طرح آزاد مت بنائیے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تافتن   کہ جا ہا سپر باید انداختن

اختلاف و افتراق کا تیسرا سبب اتباعِ عادات ہے قومی، ملکی یا خدانی عادات اور رسم و رواج کچھ اتنی بری چیزیں بھی نہیں کہ ان کی اصولاً مذمت ہی کی جائے بلکہ اگر غور کیجئے تو یہ انسانی اصلاحِ معیشت کا ایک فطری دستور العمل بھی ہیں بہت سی وہ اصلاحات جو انسان آئینی طور پر قبول کرنا پسند نہیں کرتا اپنی خاندانی یا ملکی عادات کی وجہ سے خوشی خوشی قبول کر لیتا ہے اسی لئے شریعتِ حنیفیہ نے اس کا بڑا لحاظ کیا ہے بلکہ قانونِ یسر کا یہی ایک بڑا اصول ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانوں میں کوئی فاسد عنصر ظلم و تعدی اور محض اپنے جہل و بے علمی کی وجہ سے کوئی بات کر گذرتا ہے اُس کے دستِ نگر تو اس کے خوف کے مارے چون و چرا نہیں کر سکتے اہلِ علم اپنی بے دست و پائی کی وجہ سے اغماض کر لیتے ہیں لیکن جب اسی حال پر کچھ زمانہ گذر جاتا ہے اور کوئی سماوی بلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارضی طاقت اس میں انقلاب پیدا نہیں کرتی تو پھر یہی عام عادت بن جاتی ہے اور شدہ شدہ اہلِ مذہب اس کو اپنے مذہب کا جزء قرار دیدیتے ہیں۔ بعض مزارات پر بھنگ نوشی اور سجادہ نشین کے لئے عزوبت کی زندگی گویا شرطِ سجادگی تھی۔ آخر ایک دور آیا اور آنکھ کھلی تو اس کے خلاف آواز بلند کی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ ہائی کورٹ تک مقدمہ پہنچا جب مدعین سے اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو ان سب کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہ تھی کہ یہ اس درگاہ کی قدیم رسم ہے۔!

اسی طرح فاسد عادات کچھ زمانہ کے بعد مذہبیت کا رنگ پیدا کرلیتی ہیں اور دین میں محض اس رسمِ بد کی وجہ سے فرقہ بندی کی بنیاد پڑجاتی ہے۔ شب برات کی آتش بازی اور عرسوں میں شراب و قمار بازی مذہب کی تعلیم نہیں لیکن یہی عادات ہیں جن کو مذہبی رنگ دیدیا گیا ہے یہ عادات بعض جہلاء میں تو اتنی راسخ ہو چکی ہیں کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا گویا علمِ جہاد بلند کرنا ہے اسی کا نام اندھی تقلید ہے۔

اندھی تقلید کیا ہے؟ قرآن کریم نے جہاں کہیں مذمت کی ہے اسی قسم کی تقلید کی کی ہے جب کبھی قرآن نے کفار کی بے تکی اور نامعقول باتوں پر دلائل کا مطالبہ کیا ہے تو ان کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ وَقَالُوا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۔ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کی روش یہی دیکھی ہے اس لئے ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اس پر قرآن کریم نے جو اعتراض کیا وہ یہ نہیں تھا کہ آباء واجداد کی تقلید کرنا غلط ہے بلکہ یہ تھا کہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ یعنی اگر تمہارے باپ دادوں میں عقل وہدایت کا کوئی شمہ بھی نہ ہو پھر بھی تم ان ہی کی تقلید کئے چلے جاؤ گے۔ دوسری جگہ ذرا اس سے نرم لہجہ میں ارشاد ہے۔

قُلْ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى	آپ کہدیجئے کہ اگرچہ میں تمہارے سامنے وہ راہ پیش
مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَاءَكُمْ	کروں جو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہو جس پر تم نے اپنے
قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ	باپ دادوں کو پایا ہے انھوں نے جواب دیا کہ جو طریق
كٰفِرُوْنَ۔ (زخرف)	تم دیکر بھیجے گئے ہو ہم تو اسے مان نہیں سکتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ان کے آباء واجداد میں عقل کی روشنی یا نورِ ہدایت ہوتا تو قرآن کو ان کی تقلید پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی نظر میں کورانہ تقلید یہ ہے کہ گمراہی اور بے عقلی کی تقلید کی جائے خواہ پھر اس کے ساتھ ہزار دلائل بھی کیوں نہ ہوں اس کے بالمقابل روشن خیالی یہ ہو کہ ہدایت اور عقل کی بات کی پیروی کی جائے خواہ وہ کتنی ہی خاموش اور کتنی ہی سکوت کیساتھ ہو۔ ہمارے موجودہ دور میں اندھی تقلید اور جمود کا مفہوم ہی غلط سمجھا گیا ہے۔ عالم غیب کی بلند سے بلند حقائق الالہیات کے عمیق سے عمیق معارف اور اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ان تمام باتوں کو ان کے اعتماد پر مان لینا جن کو ان کی سچی نظروں نے خود دیکھا یا فہم سلیم نے خوب سمجھا ہے کورانہ تقلید کہلاتا ہے اور یورپ کے فلاسفروں کے ناتمام اور ادھوری تحقیقات کو پورے یقین کے ساتھ مان لینا روشن خیالی کے نام سے موسوم ہے اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو اختلاف دلائل و بے دلائل کا نہیں بلکہ اعتماد و بے اعتمادی کا ہے عصر حاضر کے موجدین پر چونکہ پورا اعتماد حاصل ہے اس لئے ان کی باتیں دلیل یا بے دلیل ماننا سب روشن خیالی میں شمار ہے اور انبیاء علیہم السلام پر چونکہ دلی گہرائیوں میں وہ یقین حاصل نہیں ہوتا اس لئے یہاں تصدیق کے لئے ان کے فرمان سے بھی کسی اور بڑھ کر دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے اور ان کی باتیں بے دلیل ماننا اندھی تقلید نظر آتی ہے حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سب علوم نہایت کھلے اور اتنے صاف ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

(۱) اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ	بھلا جو شخص اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر چلتا ہو اس کے
کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ	برابر ہو سکتا ہے جن کو اپنا برا کام بھلا نظر آتا ہے اور
وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ (محمد)	اپنی خواہشات پر چلتے ہیں۔
(۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ فَھُوَ	بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے لئے
عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (زمر)	کھول دیا ہو تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی میں ہے۔
(۳) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ	بھلا جو شخص یہ یقین کرتا ہے کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے
الْحَقُّ کَمَنْ ھُوَ اَعْمٰی (الرعد)	تجھ پر اترا وہ حق ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو نابینا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس راستہ کی دعوت دیتے ہیں وہ خود ایک کشادہ اور کھلا ہوا راستہ ہوتا ہے ان کی مقابل جماعتوں پر اس کی یہ کشادگی اس لئے پوشیدہ رہتی ہے کہ ان کے سامنے ان کے اعمال بد مزین ہوتے ہیں، ان کے اہوار و خواہشات خود ان کی آنکھوں کا حجاب ہوتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ نورِ بصیرت اُن سے اس طرح سلب ہو جاتا ہے کہ پھر وہ ایک نپٹ اندھے کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اب انصاف کرو کہ اندھی تقلید کس کی ہے اُن انبیاء علیہم السلام کی جن کو خود شرح صدر حاصل ہے ان کے علوم سراپا نور ہی نور ان کا راستہ صاف و ستھرا اور کھلا ہوا راستہ ہے یا ان کی جو خود نابینا ہیں جن کی آنکھوں پر اہوار و خواہشات کے تو بر تو حجابات پڑے ہوئے ہیں اور اس لئے انھیں اپنی بدعملی ہی بھلی نظر آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح سطحی علم اور اتباع ہوا فرقہ بندی کا سبب ہو جاتے ہیں اسی طرح اتباع عادات و رسوم بھی اس کا سبب بن جاتی ہے یہ تینوں اسباب ایک جگہ جمع بھی ہو سکتے ہیں اور جدا بھی ہو سکتے ہیں اور وقت کی مساعدت اور ماحول کی مناسبت پر ان جماعتوں کے گھٹنے بڑھنے، پیدا ہونے اور فنا ہونے کا مدار رہتا ہے امید نہیں ہے کہ مذہبی افتراق و تشتت کے لئے ان امور کے اسباب ہونے میں دو رائیں ہوں مگر جو بات ہر دور میں عقدۂ لاینحل بنکر رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی فرقے کے علم کو سطحی کہدینا یا اس کو متبع ہویٰ قرار دینا یا کسی رسم کو رسم جاہلیت ٹھیرا دینا آسان بات نہیں ہر فرقہ اپنے علم کو عمیق اور اپنے طریق کو اتباعِ سنت اور اپنے رسم ورواج کو طریق سلف کہتا ہے اس گتھی کو سلجھانے سے عقل کے ناخن عاجز ہیں۔ ایک فرقہ کا فیصلہ دوسرے کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتا اور اس مرحلہ پر پہنچکر خدا کی اس تقدیر پر راضی ہونا پڑتا ہے جسکی طرف اس نے یہ فرما کر اشارہ کیا ہے ولذلک خلقھم۔ ہم نے اس تماشا گاہِ اختلاف کو اختلاف ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی ہنگامۂ اختلاف میں انبیاء علیہم السلام وحدت و اتحاد کی دعوت دینے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ ان کی اس آواز پر اختلاف و تشتت بڑھتا رہا ہے اسی کشاکش میں دنیا کی حیوۃ کا راز مضمر ہے اگر خیر و شر ایک طرف ہو جائے تو شاید کارخانۂ عالم درہم وبرہم ہو جائے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com